عقل کی محدودیت اور وحیِ الٰہی

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ حضرتِ انسان کے لیے ساری زمین اور سارے آسمانوں کو دائرۂ عمل اور میدانِ کار مقرر فرمایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔ "وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا — جب کہ اس سے پہلے اُس کا عرش پانی پر تھا — تاکہ تم کو آزما کر دیکھے، تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے"۔ (ہود — ۷) یہ آیت تصریح کرتی ہے کہ انسان کی آزمائش کے لیے میدانِ عمل یہ زمین اور آسمان اور ساری مادی کائنات ہے۔ قرآن مجید نے اس کائنات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عالمِ غیب اور عالمِ شہادۃ (انعام — ۷۳)۔ پھر عالم شہادہ کی مزید دو قسمیں کی گئی ہیں۔ عالمِ انفس اور عالمِ آفاق (فصلت — ۵۳)۔ اِس طرح یہ کائنات تین عوالم پر مشتمل ہے — عالمِ غیب، عالمِ انفس اور عالمِ آفاق۔ دُنیا میں آکر انسان کو ان تین عوالم سے ہی سابقہ پیش آتا ہے۔

عالمِ آفاق یہ آسمان، یہ ستارے، یہ جمادات، نباتات اور حیوانات، یہ سارا عالمِ فطرت اور عالمِ طبیعیات، عالمِ آفاق ہے — یہ انسان کو ہر چہار اطراف سے گھیرے ہوئے ہے۔ یہ مادی دُنیا ہے۔ مادی جسم کے حاصل ہونے کی حیثیت سے انسان کو سب سے زیادہ واسطہ عالمِ مادیات سے پیش آتا ہے۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے بھی اس کو اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے سب سے زیادہ سابقہ عالمِ مادیات سے پیش آتا ہے۔ اس لیے یہ بات نہایت ضروری تھی کہ مادی دُنیا سے معاملہ کرنے کے لیے انسان کے پاس کوئی ذریعہ ہو۔ اِس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقلِ حسی اور عقلِ استدلالی

سے نوازا ہے۔ عقلِ حسی اور عقلِ استدلالی کی مدد سے انسان مادی اشیاء کے خصائص معلوم کرتا ہے۔ ان کی تاثیرات معلوم کرتا ہے اور پھر ان کو حسبِ منشا اپنے تصرف میں لاتا ہے۔ اگر عقلِ حسی کی نعمت انسان کو حاصل نہ ہوتی تو پھر مادی دُنیا سے معاملہ کرنا دشوار ہو جاتا۔ اگر کبھی استدلال کرتے وقت انفرادی عقل سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو اجتماعی عقل اس کی اصلاح کر لیتی ہے، اس طرح مادی دُنیا میں غلطیوں کی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ یہ عقلِ انسانی کا دائرہ کار ہے۔ اس دائرہ کار میں عقل خود کفیل ہے، خود مکتفی ہے کسی بیرونی امداد کی ضرورت نہیں ہے۔

انسان کے عہدِ طفولیت میں عقلِ انسانی بھی بلوغت کو نہیں پہنچی تھی، پختہ نہیں ہوئی تھی، اس لیے انبیائے کرام علیہم السلام نے عالمِ مادیات سے متعلق بعض امور کی تعلیم دی ہے حالانکہ ان کا دائرہ کار عالمِ مادیات نہیں ہے۔ وہ تو عالمِ النفس میں اور عالمِ غیب میں نوعِ انسانی کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنانے کا فن سکھایا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے تعلیم و تدریس کا فن سکھایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے لوہا پگھلانے کا فن سکھایا۔ لیکن جب نوعِ انسانی بلوغت کو پہنچ گئی تو یہ مادی میدان بالکلیہ عقل کے سپرد کر دیا گیا۔ وحیِ الٰہی اس میں مداخلت کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ مادی علوم کے دروازے اللہ تعالیٰ ایک خاص تدریج کے ساتھ انسانوں پر کھولتا جاتا ہے۔ اس کا ایک ضابطہ اور ایک طریقہ کار ہے۔ اس ضابطہ کی چند شقیں یہ ہیں:۔

۱۔ سب سے اوّل اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مادی کائنات کو اپنے خلیفہ انسان کی عقلِ استدلالی کی زد میں دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے، سب کچھ اپنے پاس سے (حاشیہ ۱۲) اُس نے زمین اور آسمانوں کی محافظ قوتوں — فرشتوں — کو انسان کا مطیع و فرماں بردار بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے — "فرشتے سب کے سب (انسان کے آگے) سجدہ میں گر گئے۔" (ص — ۷۳) سجدہ میں گر جانا اطاعت اور فرماں برداری کی علامت ہے۔ اس حکم سے ظاہر ہے کہ ساری مادی کائنات کو بالقوہ انسان کی زد میں دے دیا ہے۔ اب صرف بالقوہ سے بالفعل میں

لانے کا مرحلہ ہے۔ انسان بتدریج طبعی قوتوں کو مسخر کر رہا ہے اور اپنے تصرف میں لا رہا ہے۔

۲ ــــ اللہ تعالیٰ علم کی صرف اتنی مقدار انسان کی عقل و فہم پر کھولتا ہے جتنی کہ وہ ہضم کر سکے۔ جس قدر وہ اپنے تصرف میں لا سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں، ایک مقررہ مقدار میں نازل کرتے ہیں۔ (حجر۔ ۲۱) اس سے واضح ہوتا ہے کہ نوع انسانی کے علم میں اضافہ رفتہ رفتہ بتدریج ہوتا ہے۔

۳ ــــ اللہ تعالیٰ جب مناسب خیال فرماتا ہے خود ہی علم کی ایک مقدار انسانوں پر منکشف فرما دیتا ہے۔ بیشتر علوم القائے ربانی سے منکشف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اس کی (اللہ کی) معلومات میں سے کوئی چیز ان کی (انسانوں کی) گرفت میں نہیں آسکتی، مگر یہ کہ وہ خود ہی کسی چیز کا علم دینا چاہے (بقرہ ــ ۲۵۵)۔ اللہ تعالیٰ جب مناسب سمجھتا ہے کسی بندے کے قلب پر اس علم کا القا فرما دیتا ہے اور پھر وہ شخص اس علم کو عام کر دیتا ہے۔ علوم کی اختراع اور سائنس کی ایجادات اور انکشافات کی تاریخ پڑھتے وقت یہ بات بہ تکرار سامنے آتی ہے کہ کسی معمولی سے واقعہ یا حادثہ سے کسی انسان کا ذہن اس علم یا ایجاد کی طرف منتقل ہو گیا ــ حالانکہ اس سے قبل بھی وہ اس واقعہ یا حادثہ کو دیکھتا رہا ہے۔ بس یہی القائے ربانی کی صورت ہے۔

۴ ــــ علوم کا یہ القا صرف ان لوگوں کو ہوتا ہے جو علوم کی قدر کرتے ہیں جو اس کے اہل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اگر تم شکر گزار بنوگے (قدر افزائی کروگے) تو میں تم کو اور زیادہ دوں گا۔" (ابراہیم ــ ۷) یعنی علوم و فنون کے انعامات اور عطیات صرف ان افراد کو اور ان اقوام کو ملتے ہیں جو ان علوم کی قرار واقعی قدر کرتے ہیں جو ان علوم میں انہماک اور استغراق رکھتے ہیں جو اپنا اہل ہونا ثابت کر دیتا ہے اسی پر اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہوتا ہے۔

اس ضابطہ کے مطابق نوع انسانی مسلسل مادی علوم اور ایجادات میں اضافہ کرتی جا رہی ہے۔

عالم النفس | انسان کے گرد دوسرا دائرہ خود انسان کا ہے۔ یہ عالم انسانیت کا میدان ہے،

یہ علوم عمرانی اور علوم انسانی کا میدان ہے۔ یعنی یہ عالمِ انفس ہے۔ بلا شک و شبہ اس میدان میں بھی عقلِ استدلالی کی فتوحات کچھ کم قابلِ قدر نہیں ہیں۔ انسانی وجود اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق بہت سے علوم و فنون انسان نے ایجاد کر رکھے ہیں۔ ان سب پہلوؤں سے متعلق بیش بہا معلومات کا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ یہ سب قابلِ قدر اور قابلِ ستائش ہے۔

لیکن یہاں ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہر معقول آدمی اس بات کو تسلیم کرے گا کہ علوم مادی اور علوم عمرانی میں واضح فرق موجود ہے۔ علومِ مادی میں نتائج بڑی حد تک قابلِ اعتماد ہوتے ہیں۔ لیکن علوم عمرانی میں عقلِ استدلالی کی قیاس آرائیاں قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذی حیات، خود مختار اور صاحب ارادہ انسان اپنی ماہیت میں بے جان اور جامد مادے سے قطعاً مختلف ہے۔ نہ وہ انسان جس کا مطالعہ کیا جا رہا ہے جامد ہے کہ ہر حال اور ہر وقت یکساں قائم رہے۔ نہ مطالعہ کنندہ غیر جانب دار رہ سکتا ہے کہ نتائج یکساں برآمد ہوں۔ پھر مادی دنیا میں ایک عقل کی غلطی دوسری عقل پکڑ لیتی ہے۔ عالمِ انسانیت میں عقل کے پاس کوئی کسوٹی نہیں ہے کہ غلطی پکڑ لی جائے۔ اس لیے صدیوں تک غلطی کا ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل کی تلون مزاجی اور اس کی محدودیت حقیقتِ نفس انسانی تک رسائی حاصل کرنے میں عموماً ناکام رہتی ہے۔ عالمِ انسانیت میں عقلِ استدلالی قابلِ اعتماد ذریعہ نہیں ہے جس طرح کہ وہ عالمِ مادیت میں ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ عالمِ انسانیت میں پھر کیا کیا جائے؟ غلطیوں سے بچنے کی کوئی سبیل ہے؟ عالمِ انسانیت میں راہِ صواب کیا ہے؟ یا پھر انسان غلطیوں کی بھول بھلیوں میں سرگرداں و حیران مارا مارا پھرتا رہے؟ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ حضرتِ انسان کو حسنِ عمل کا مظاہرہ کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ گمراہی میں بھٹکنے کے لیے نہیں بھیجا ہے۔ اس نے انسان کو راہ ہدایت بتانے کا انتظام فرمایا ہے۔

ازل میں دنیا میں آنے سے قبل اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقلِ حسی (عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ) کا انعام دیا۔ جنت میں چند روز مہمان رکھ کر انسان پر یہ حقیقت واضح کر دی، بلکہ اس کا تجربہ کرا دیا کہ تنہا عقلِ حسی غلطی میں مبتلا ہونے سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہیں بچا سکتی

ہے۔ اس کے لیے ایک برتر علم — علمِ ہدایت — کی ضرورت ہے۔ دُنیا میں بھیجتے وقت انسان کو نصیحت کی کہ "پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔ اور جو اُس کو قبول کرنے سے انکار کر دیں گے اور ہماری آیات کو جھٹلا دیں گے، وہ لوگ آگ میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے" (البقرہ — ۳۸، ۳۹)۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "انسان کو صرف عقل ہی سے نہیں نوازا ہے، بلکہ اس نے انسان کو ہدایت سے بھی نوازا ہے۔ اس نے انبیاء کرام کا سلسلہ جاری فرمایا تاکہ وہ انسانوں کو اللہ کی ہدایت پہنچائیں۔ ہر ملک اور قوم میں اللہ کے رسولوں نے ہدایتِ الٰہی پہنچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ (فاطر — ۲۴)۔ مذکورہ بالا آیت سے صراحت ہوتی ہے کہ عالمِ انسانیت میں رہنمائی کے لیے عقلِ استدلالی ناکافی ہے۔ یہاں ایک برتر علم یعنی علمِ ہدایت کی ضرورت ہے۔ عالمِ انسانیت کے لیے بنیادی معلومات علمِ وحی اور ہدایتِ الٰہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان بنیادی معلومات کی روشنی میں پھر عقل کو اپنی سرگرمی دکھانی چاہیے۔ عقلِ استدلالی کو وحی الٰہی کی رہنمائی اور ماتحتی میں کام کرنا چاہیے۔ عالمِ انسانیت میں عقل خود مختار اور خود مکتفی نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ عالمِ مادیت میں ہے۔ یہاں کے معاملات میں بالادستی ہدایتِ الٰہی کو حاصل ہے۔

جدید یورپ کے معمار ڈیکارٹ نے وحی الٰہی کا انکار کر دیا۔ اُس نے عقل کو کافی قرار دیا۔ اُس نے عقل کو خود مختار اور شترِ بے مہار بنا دیا۔ یورپ میں جدید افکار کی گاڑی جس دن سے پٹری سے اُتر گئی۔ اُس دن سے یورپ کی گمراہی کا آغاز ہوا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:-

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
رہنما ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

تاریخ افکارِ عالم پر نظر رکھنے والا شخص جانتا ہے کہ حق و باطل، خیر و شر، جائز و ناجائز، حقوق و فرائض، عدل و انصاف کے متعین کرنے میں عقلِ انسانی نے خوب خوب ٹھوکریں کھائیں۔

انسانی معاشرہ میں عدل و انصاف قائم کرنے میں عقلِ انسانی ہمیشہ ناکام رہی ہے۔ اقتدار پہ متمکن عقل بے لاگ عدل نافذ کرنے میں یکسر ناکام ہوگئی ہے۔ یہ مرحلہ درحقیقت عقل کی دسترس سے باہر ہے۔ وحی الٰہی کی رہنمائی کے بغیر یہ دشوار مرحلہ طے نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل پہ قائم ہوں۔ اور لوہا بھی اتارا جس میں بڑی طاقت بھی ہے اور لوگوں کے لیے دوسرے فوائد بھی ہیں“ (حدید — ۲۵)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو محض وعظ و نصیحت کرنے کے لیے نہیں بھیجا۔ بلکہ ان کی بعثت کا اصل مقصد یہ تھا کہ انسانوں کے مابین تعلقات اور روابط کو عدل و انصاف کی بنیاد پہ قائم کر دیں۔ دنیا میں ایک عادلانہ اور فلاحی معاشرہ قائم کر دیں، جس میں نیکیوں کو فروغ حاصل ہو اور برائیوں کو طاقت سے کچل دیا جائے، جس میں اطاعتِ ربّ اور اخلاقی اقدار کو اوّلین اہمیت حاصل ہو۔ رسول دُنیا میں ایک مثالی معاشرہ قائم کرنے کے لیے آئے تھے۔ یہ کام انہوں نے وحی الٰہی اور ہدایت الٰہی کی رہنمائی میں انجام دیا۔ اب عقلِ انسانی کا کام یہ ہے کہ وہ ہدایتِ الٰہی کے تحت اپنی سرگرمی دکھائے۔ ہدایتِ الٰہی کے حدود سے باہر قدم نہ رکھے۔ جب بھی عقل نے ہدایتِ الٰہی سے بے نیازی اختیار کی ہے انسانی معاشرہ میں فساد رونما ہوا ہے۔ انسانوں کے تعلقات میں اور اخلاق میں ابتری پیدا ہوتی ہے۔ فساد کی جڑ عقل کی سرکشی اور خودمختاری ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا — اپنے افکار کی دُنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

عالمِ غیب تیسرا دائرہ انسان کے گرد عالمِ غیب کا ہے، جس کو فلسفی لوگ عالمِ مابعد الطبیعیات کہتے ہیں۔ دُور بین نگاہوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ عالمِ مادیات جس پر انسان متصرف ہے، یہ عالمِ انسانیت جس سے انسان ہر آن متصادم ہے، اُن کی حقیقت پر غیب کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ ان کی حقیقت اور کنہ کے ادراک سے انسانی عقل عاجز اور درماندہ ہے۔ حالانکہ اس تصرف اور اس تصادم کے متعلق کوئی مثبت یا منفی رائے اُس وقت تک قائم نہیں کی جا سکتی جب

تک ہمیشگی یہ بات معلوم نہ ہو جائے کہ ان اشیا کی حقیقت کیا ہے ؟ ان کا مقصد وجود کیا ہے ؟ حقیقت لغیرہ تو کسی قدر معلوم ہو جاتی ہے ۔ لیکن حقیقت بعینہ بالکل معلوم نہیں ہوتی پھر کیسے یہ بات معلوم ہو کہ انسان اُن کو کیسے اپنے تصرف میں لائے ؟ خود انسان کی حقیقت کیا ہے ؟ اس کی تخلیق کس غرض کے لیے کی گئی ہے ؟ کیا وہ ذمہ دار اور جواب دہ مخلوق ہے ؟ یا پھر محض کھیل تماشا ہے ؟ آخرت میں انسان کا حساب ہوگا ؟ اوّل روز سے عالم انسانیت کے ذہین اور دانا افراد کے سامنے یہ سوال اُبھرتے رہے ہیں ۔ حق بات یہ ہے کہ عقل ان سوالات کے جوابات دینے کی پوزیشن میں نہیں ہے ۔ جو جوابات لوگوں نے دیے ہیں وہ سب بچگانہ ہیں اور قیاسی ہوائی قلعے ہیں ۔ حالانکہ ان سوالات کے معقول جوابات حاصل ہونے ضروری ہیں ۔

عالمِ مغیبات خالص وحی الٰہی کا میدان ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں ہے ۔ یہاں پرواز کرتے سے عقل کے پَر جلتے ہیں ۔ انبیاء کی آمد اور کتابوں کا نزول صرف اسی مقصد کے لیے ہوا ہے کہ عالمِ مغیبات کی ضروری معلومات انسان کو مہیا کر دی جائیں ۔ جن کی روشنی میں وہ اپنی کارگزاری کا صحیح منصوبہ بنا سکے ۔ انسان دُنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے ۔ وہ کوئی غیر ذمہ دار کھلنڈرا نہیں ہے وہ ایک ذمہ دار اور جواب دہ مخلوق ہے ، جس کو حسنِ عمل کا مظاہرہ کرنے کے لیے دُنیا میں بھیجا گیا ہے ۔ اس کی زندگی مقصدی زندگی ہے ۔ وہ کوئی من موجی ، سیلانی اور خود پرست نہیں ہے ۔ اس کی کارگزاری کا ایک دن حساب لیا جائے گا ۔ کامیاب قرار دیے جانے پر جنت ملے گی ۔ ناکام قرار دیے جانے پر دوزخ ملے گی ۔

غیب کے اس علم کو دل و جان سے قبول کر لینے کے بعد ایک ذمہ دار ، با اخلاق شریف انسان وجود میں آتا ہے ۔ اور اس علم کا انکار کر دینے پر غیر ذمہ دار ، نفس پرست ، خونخوار وحشی انسان وجود میں آتا ہے ۔ دونوں یکساں نہیں ہیں ، دونوں میں بُعدِ بعید ہے ۔ اس لیے غیب کا علم جاننا انسان کی ناگزیر ضرورت ہے ۔ یہ ضرورت روٹی اور پانی سے بھی زیادہ ضروری ہے ۔ یہی علم ہے جو انسان کو حیوانیت کے درجے سے اُٹھا کر انسانیت کے مقامِ رفیع پر پہنچاتا ہے ۔ ورنہ خود غرض انسان کو درندہ بننے سے کوئی شے نہیں روک سکتی ۔ یہ علم وحی الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے ، اس لیے وحی الٰہی کو اور ہدایت الٰہی کو ماننا انسان کی بنیادی ضرورت ہے ۔ ہدایت الٰہی کی رہنمائی

میں عقل انسانی اپنی کارگذاری دکھا سکتی ہے۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہاں اس بات کا اظہار بے محل نہیں ہو گا کہ یہ تقسیم سہ گانہ اگر پیش نظر رہے تو قرآن مجید کی ہدایات کا دائرہ کار سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے، اور بعض لوگوں کو قرآن مجید کا مدعا اور مطلوب کے سمجھنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں وہ بھی رفع ہو جاتی ہیں۔ قرآن مجید مادی دائرہ سے بالکل تعرض نہیں کرتا۔ یہاں انسانی عقل رہنمائی کے لیے بالکل کافی ہے۔ یہاں غلطیوں کی اصلاح عقل خود ہی کر لیتی ہے۔ قرآن مجید کی تمام ہدایات پہلے درجے میں عالم انسانیت سے متعلق ہیں، جہاں عقل کی رہنمائی ناکافی ہے۔ اس لیے گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہاں بہتر رہنمائی وحی الٰہی مہیا کرتی ہے۔ ہدایت اس سے وابستہ ہے اور پھر دوسرے درجے میں عالم مغیبات سے متعلق ہے۔ جہاں عقل کی رسائی بالکل نہیں ہے۔ جہاں تمام تر رہنمائی صرف وحی الٰہی مہیا کرتی ہے۔ یہ بات ضمناً عرض کر دی گئی ہے۔

یہاں ایک نظر اس حقیقت پر ڈالنا چاہیے کہ وحی الٰہی کا انکار کر دینے کے بعد اور آسمانی مذہب ترک کر دینے کے بعد مغربی انسان نے کیا پایا اور کیا کھویا۔

وحی الٰہی کو تسلیم کرنے اور مذہب پر ایمان لانے کے دو فائدے تو بالکل ظاہر ہیں۔ مذہب لوگوں کو حق کے ماننے کی دعوت دیتا ہے۔ مذہب حق کا معروضی معیار پیش کرتا ہے۔ یہ حق خواہشات اور مفادات سے بلند تر اور بالاتر ہوتا ہے۔ یہ حق غیر جانب دار ہوتا ہے۔ یہ حق بے لاگ انصاف مہیا کرتا ہے۔ اس کے مطابق فریقین کے تنازعات کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس حق کے مطابق کمزور طاقت ور کے خلاف دادرسی کر سکتا ہے۔ بلکہ اس حق کے معیار پر انسان اپنی اور دوسروں کی غلطیاں خود بھی معلوم کر سکتا ہے۔ چونکہ اس حق کا تعلق مذہب سے ہوتا ہے اس لیے اس کے فیصلوں کو لوگ بے چون وچرا تسلیم کر لیتے ہیں۔ ان فیصلوں کے خلاف ان کے دلوں میں غم وغصہ کے جذبات نہیں بھڑکتے۔ افراد، طبقات اور اقوام کے درمیان تنازعات کا فیصلہ کرنے کا یہ بہت اچھا طریقہ ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ حق عالمگیر ہوتا ہے اور آفاقی ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ میں افراد، طبقات اور اقوام سب کو یکساں درجہ حاصل ہے۔ رنگ ونسل کے فرق کی یہاں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہاں افراد

کو افراد پر، طبقات کو طبقات پر، اقوام کو اقوام پر بالا دستی اور برتری حاصل ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تمام انسان قانون کی نگاہ میں یکساں ہیں۔ عالمگیر حق پر تمام انسانوں کو مجتمع کیا جا سکتا ہے۔ اقوام و ملل میں وحدت پیدا کرنے کا یہ سب سے بہتر ذریعہ ہے۔

مذہب کو زندگی کے معاملات سے بے دخل کرنے کے بعد مغربی انسان ان دونوں فوائد سے محروم ہوگیا۔ بے لاگ عدل و انصاف حاصل کرنے سے محروم ہوگیا اور وحدت اقوام و ملل سے محروم ہوگیا۔

مذہب کو معزول کر دینے کے بعد اہل مغرب نے عقل کو حَکَم کے منصب پر فائز کیا۔ انفرادی اور اجتماعی تمام تنازعات عقل کی بارگاہ میں پیش کیے جانے لگے، مگر وائے افسوس عقل اس منصبِ رفیع کی اہل ثابت نہیں ہوئی۔ عقل بے لاگ فیصلے کرنے سے قاصر ہے۔ تحلیل نفس کے مطابق عقل خود غرضی کی ایک لطیف ترین شکل ہے۔ عقل پرستی کے نام پر انسان درحقیقت اغراض پرستی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ افراد کے پیش نظر اُن کی خواہشات ہیں۔ اقوام کے پیش نظر اُن کے مفادات ہیں۔ خواہشات اور مفادات سے بلند تر کوئی مطمحِ نظر اُن کے سامنے نہیں ہے۔ کوئی عالمگیر معیارِ حق اُن کے پیش نظر نہیں ہے۔ اقوامِ متحدہ بڑی نیک تمناؤں اور نیک آرزوؤں کے ساتھ وجود میں آئی تھی۔ مگر وہاں بھی اغراض پرستی اور مفادات پروری کی کشمکش جاری ہے۔ اغراض پرستی اور مفاد پروری میں تصادم ناگزیر ہے۔ اس تصادم میں کمزور پس جاتا ہے اور طاقتور اپنی بات منوالیتا ہے۔ پھر دلوں میں غبار جمع ہوتا رہتا ہے جو لاوے کی طرح پھٹنے کے لیے بے چین رہتا ہے۔ اور ایک نئی عالمگیر جنگ کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

عقل پرستی انسانیت کو بلند تر معیارِ حق، اور بے لاگ عدل و انصاف مہیا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ عقل پرستی کے دور میں یہ ہو رہا ہے کہ حق کی جگہ مفادات نے اور انصاف کی جگہ طاقت نے لے لی ہے۔ مذہب کو ترک کر دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب تنازعات سلطانِ حق کے سامنے پیش نہیں کیے جاتے ہیں بلکہ سلطانِ تلوار (طاقت) کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ کیا یہ ترقی معکوس نہیں ہے؟